(غلام گردش)

شاہی خاندان

مراداول سلطنت عثمانیہ کا تیسرا سلطان بن چکا تھا۔سلطانِ اعظم کا لقب اختیار کرنے والے بادشاہ کا دربار میں پہلا دن تھا۔ ہر طرف بیش قیمت لباس پہنے درباری اور افسر موجود تھے۔رنگ ونور کا سیلاب تھا۔ بڑی بڑی پوشاکیں پہنے، ہیرے جواہرات سے مزین،حکومت کے اہم ترین افراد دربار میں آراستہ تھے۔ بادشاہ حد درجہ خوش تھا۔مرتبہ کے اعتبار سے ایک ایک کر کے سرکار کے اہم ترین لوگ سلطان کے قریب آتے تھے۔ادب سے سلام کرتے تھے۔حیثیت کے حساب سے تحفے دیتے تھے۔پھر خاموشی سے واپس قطار میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہر بندہ سلطان کی شوکت وسطوت سے متاثر تھا۔خود مراداول کی شاہی پوشاک دیدنی تھی۔سرخ رنگ کا جواہرات سے بھر پور گاؤن اور سفید رنگ کی بڑی سی پگڑی۔اس لباس میں حد درجہ رعب دار لگ رہا تھا۔ یہ پندرہ جون 1389 کا دن تھا۔ان تمام رنگینیوں سے صرف تھوڑا سا دور شاہی محلات تھے۔جن میں مراد کے حقیقی اور سوتیلے بہن بھائی مقیم تھے۔ایک ہی باپ سلطان اورھن کی اولاد۔اس شاہی خاندان پر اس وقت قیامت چھائی ہوئی تھی۔جلاد،سلطان مراد کے بھائیوں کو ایک ایک کر کے بلاتا تھا۔انکو ادب سے جھک کر سلام کرتا تھا اور پھر بھاری تلوار سے گردن کاٹ دیتا تھا۔بہنوں کے ساتھ بھی یہی سلوک روا تھا۔بادشاہ کے تخت نشین ہوتے ہی،اسکے تمام بھائیوں اور بہنوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔یہ ترک قانون کے حساب سے بالکل جائز تھا۔سلطان مراد اس خاندانی قانون کے مطابق اپنے قریب ترین قرابت داروں کی گردن زنی کا حکم دے چکا تھا۔ یہ معاملہ صرف ایک سلطان تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ تین سو سال کی مدت میں جتنے عثمانی بادشاہ بنے،تمام کے تمام نے بلاخوف اپنے خونی رشتہ داروں کو پہلے دن ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔اس قانون کو ترکی زبان میں برادر کشی کہا جاتا تھا۔عثمانیہ خاندان کی سلطنت چھ سو سال رہی اور اسکے پہلے تین سو سال میں یہی خونی قانون مروجہ تھا۔پھر حرم سرا میں ایک جہاندیدہ ملکہ نے اس قانون کو تبدیل کروا دیا۔اب سلطان اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کر دیتا تھا۔مگر اس نامزد ولی عہد کو فوراً قید کر دیا جاتا تھا۔کسی کو بھی اسے ملنے جلنے کی اجازت نہیں تھی۔اسے کسی قسم کی مشاورت کے عمل میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔کوئی بھی ولی عہد سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ قیدِ تنہائی کی بدترین قسم تھی۔جس دن سلطان کا انتقال ہوتا تھا۔ٹھیک اسی وقت ولی عہد کو قید سے نکال کر مسند نشین کر دیا جاتا تھا۔وہ شخص جو کسی سے بات تک نہیں کر سکتا تھا۔ جسے طویل مدت تک تنہائی میں رکھا گیا تھا۔ یک دم سلطنت عثمانیہ کا کامل مالک بن جاتا تھا۔اسے اُمورِ سلطنت کا کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔سرکاری معاملات سے مکمل نابلد ہوتا تھا۔مگر پھر بھی وہ سلطان ہوتا تھا۔اکثر اوقات،اس طرح کے ولی عہد، بدترین بادشاہ ثابت ہوئے۔ان نااہل سلاطین نے دنیا کی عظیم سلطنت کو برباد کر کے رکھ دیا۔ چھ سو سال قائم رہنے والی حکومت پہلی جنگِ عظیم کے بعد اپنے ہی بوجھ تلے برباد ہو گئی۔اسکے بعد پوری دنیا میں مسلمانوں کی اتنی وسیع وعریض سلطنت قائم نہیں ہو سکی۔

اس پورے معاملے کا غور سے تجزیہ کیجئے۔خلافت عثمانیہ کے پاس ہر چیز تھی۔ جہاز،آبدوزیں،بھر پور فوج،نظامِ انصاف،مگر اس سلطنت کے پاس ایک مستند قانون نہیں تھا۔وہ یہ کہ حکومت کو ایک بادشاہ سے کسی طرح دوسرے انسان کو منتقل کرنا ہے۔اقتدار کی منتقلی کا کلیہ

نہ ہونے کی بدولت حد درجہ عجیب وغریب فیصلے کیے جاتے تھے۔جن کی بدولت ہمارے ملک کی طرح انتہائی ادنیٰ کردار کے لوگ تخت نشین ہوجاتے تھے۔یہ سقم صرف ترک سلطنت تک محدود نہیں تھا۔بلکہ مغلیہ خاندان اورتقریباً تمام مسلم ریاستوں میں بدرجہ اَتم یہی موجود تھا۔مغل خاندان میں بھی جب طاقتورترین بادشاہ کمزور پڑتا تھا،تواسکی جانشینی کا کوئی اُصول موجود نہیں تھا۔تخت پر قبضہ کیلئے تمام بھائیوں اوررشتہ داروں میں خانہ جنگی برپا ہوتی تھی۔تلوار فیصلہ کرتی تھی کہ کون بادشاہ ہند بنے گا۔برصغیر میں تو ایسے ایسے نمونے بادشاہ بنے ہیں،جنکے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔مگر پھر بھی وہ حاکم تھے۔ہندوستان میں حکومت کیلئے اپنے بھائیوں کوقتل کرواناعام تھا۔رحم دل بادشاہ،اپنے رحم کا مظاہرہ کرتے ہوئے،قریبی رشتہ داروں کوقتل نہیں کرواتا تھا۔مگرانکی آنکھوں میں گرم سلاخ پھیر کرانہیں اندھا کردیا جاتا تھا۔اقتدار حاصل کرنے کا ہمارے خطے میں بھی کوئی اُصول یاضابطہ نہیں تھا۔یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا ہی نہیں تھا۔پورایورپ اوردیگرممالک میں طاقت ہی حکومت میں آنے اوررہنے کا جواز ہوتی تھی۔یورپین حکومتیں بھی کسی اخلاقی اُصول سے مبرا،جانشینی کے مسائل کاشکارہتی تھیں۔پھرایک حیرت انگیزفکری اورسائنسی انقلاب نے یہ سب کچھ تبدیل کردیا۔Renaissance نے یورپ میں وہ تبدیلی برپا کردی،جس میں انسانی حقوق،مساوات، دلیل،منطق کا دوردورہ ہوگیا۔انسان پرشخصی حکومتوں کی بیخ کنی کی گئی۔بادشاہوں کوعضومعطل بنادیا گیا۔ووٹ کے ذریعے حکومت سازی کے پختہ رجہان کو پنپنے کی اجازت دی گئی۔برطانیہ اوردیگرممالک میں جمہوریت کی داغ بیل ڈالی گئی۔جس وقت سلطنت عثمانیہ اورمغل بادشاہ،جدیدخیالات سے خوفزدہ ہوکراپنے آپکومحدود کررہے تھے،یورپ سوچ کی جدت سے مستفید ہورہا تھا۔ویسٹ منسٹرڈیموکریسی وجود میں آچکی تھی۔اس فکرِ نو نے برطانیہ کوصرف ایک جزیرہ ہونے کے باوجود،ایک سپرپاور بنادیا۔جزئیات میں جائے بغیرالیکشن،ووٹ اوررائے عامہ کی بدولت حقِ حکمرانی کوتسلیم کرلیا گیا۔اس فلسفہ نے نہ صرف مغرب کوحد درجہ متاثر کیا۔بلکہ دنیا کے ہرملک میں ایک نئی سوچ کا جنم ہوا۔جس میں آزادیِ اظہاراورعدوی طاقت کے بَل بوتے پرحکومت میں آنے کے اُصول کوفروغ ملا۔برصغیر میں مسلمانوں کواس فکر سے محمد علی جناح نے آسودہ کیا۔لنکنزان کے تعلیم یافتہ اس عظیم انسان نے ہندوستان کے مسلمانوں کوجدیدسوچ کا آئینہ دکھایا۔ویسے اس سوچ کے اصل سرخیل سرسید تھے۔مگروہ سیاستدان نہیں تھے۔علمی انقلاب لیکرآئے تھے۔ذراسوچیے۔کہ سلاطین،بادشاہوں اورخلفاء کاحقِ حکمرانی جس اُصول نے چھینا۔وہ صرف اورصرف جمہوریت کا وہ صورِ اسرافیل تھا،جوعام آدمی کواقتدار میں شریک کرگیا۔مغرب نے اس عظیم اُصول کوگرہ سے باندھ دیا۔مگرمسلمان حکومتوں نے اسے دل سے قبول نہیں کیا۔باامرِ مجبوری،مغربی جمہوریت کے سامنے ہم لوگ سرنگوں تو ہوگئے،مگرمجبوراً۔دل سے ہمارے مقتدر طبقے نے کبھی بھی مساوات کی بنیاد پرانسانی حقوق اورحکومتی سازی پرعمل نہیں کیا۔

دنیامیں پچاس کے لگ بھگ مسلمان ممالک موجود ہیں۔یہ تمام براعظموں میں موجود ہیں۔اسطرح مسلمانوں کی مجموعی تعداد دوارب کے قریب ہے۔مگرکیا یہ صرف اتفاق ہے کہ کسی بھی مسلمان ملک میں جمہوریت اپنے تمام حقوق وفرائض کے ساتھ موجود نہیں ہے۔کسی بھی طرح سوچ بچارکریں۔آپکومسلمان ممالک میں خودسری،عدم مساوات،غیرجمہوری رویے اورانسانی حقوق کی پامالی نظرآئیگی۔افریقہ سے شروع ہوجایئے۔الجیریا،تنویسیا،موروکوکافی حدتک ترقی پسند معاشرے ہیں۔مگران میں ملوکیت اورشخصی حکومتوں

کا دور دورہ ہے۔تنویسیا دوبار جا چکا ہوں۔ایک اس وقت جب زین العابدین ملک کا صدر تھا اور ایک اسکے بعد جب وہ ملک بدر کر دیا گیا تھا۔یہ کوئی آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔پہلی مرتبہ تنویسیا گیا تو صدر کی سینکڑوں فٹ بڑی بڑی تصویریں تقریباً ہر عمارت پر موجود تھیں۔اسکے حکم کے بغیر ملک میں پتا نہیں ہلتا تھا۔اسکی دوسری بیوی صرف آئس کریم کھانے کیلئے سرکاری جیٹ پر پیرس جاتی تھی۔صدر کا خاندان پورے ملک کے وسائل پر قابض تھا۔اسکے بعد یکدم عرب سپرنگ Arab Spring کا آغاز ہوا۔اور زین العابدین کو اپنے ملک سے فرار ہونا پڑا۔دوسری بار تنویسیا گیا تو کسی بھی عمارت پر پرانے صدر کا نشان نہیں تھا۔ایسے لگتا تھا کہ اس نام کا بندہ پورے ملک کا دہائیوں تک حاکم رہا ہی نہیں تھا۔الجیریا میں بھی یہی حال تھا۔خیر رہنے دیجئے۔آپ پورے مشرقِ وسطیٰ کی حکومتوں کا جائزہ لیجئے۔ایک بھی ملک ایسا نہیں جہاں جمہوریت کا نام ونشان ہو۔پورے خطے میں صرف اور صرف چھوٹے اور بڑے شاہی خاندان ہیں۔جو سالہا سال سے برسرِ اقتدار ہیں۔یہ شخصی حکومتیں دنیا کے طاقت ور ممالک کی مرہونِ منت ہیں۔اور ہر طریقے سے محفوظ ہیں۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان بادشاہوں کیلئے مسائل بڑھ رہے ہیں۔انسانی سوچ کے ارتقاء کی بدولت یہ لوگ بھی محفوظ نہیں ہیں۔سعودی عرب جو مشرقِ وسطیٰ کا سب سے طاقتور ملک ہے۔شدید اندرونی مسائل کا شکار ہے۔موجودہ بادشاہ نے بھائیوں کو حکومت دینے کی بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا دیا ہے۔اسکی بدولت، پورا شاہی خاندان ابتلاء میں مبتلا ہے۔ہر وقت عدم حفاظت سے شرابور، ایک دوسرے پر خونی حملے ہوتے رہتے ہیں۔تاریک سائے شاہی خاندان کے افراد کو نگلتے نظر آتے ہیں۔یہ انتشار اس درجہ طاقتور ہے کہ امریکی صدر کو یہ کہنا پڑا، کہ اگر امریکہ سعودی عرب کے شاہی خاندان کی پشت پناہی نہ کرے، تو وہ ایک دن بھی حکومت میں نہیں رہ سکتا۔عرض کرنے کا نکتہ صرف یہ ہے کہ سعودی عرب اور دیگر مسلمان ممالک میں عام آدمی کے جمہوری حق کو تسلیم نہیں کیا گیا۔یہی صورتحال اُردن کی ہے۔وہاں بھی آئے دن حقِ بادشاہت پر تنازع کھڑا رہتا ہے۔

اسی صورتحال میں اگر اپنے ملک کی طرف دیکھتے ہیں۔جمہوریت کا نام لینے کے باوجود ہم شخصی نظام کو ترجیح دیتے ہیں۔درست ہے کہ بادشاہت کا صیغہ استعمال نہیں ہوتا۔لوگوں کو بتایا یہی جاتا ہے کہ ووٹ کے ذریعے حکومت سازی ہوتی ہے۔الیکشن سے حکومتیں آتی اور جاتی ہیں۔مگر یہ صرف اور صرف آدھا سچ ہے۔ہماری سیاست دو تین خاندانوں تک محدود ہو چکی ہے۔جو علاقائی بادشاہ بن چکے ہیں۔یہ ٹھیک بات ہے کہ یہ کبھی بادشاہ یا سلطان ہونے کا دعوی نہیں کرتے۔مگر ان کا رہن سہن، محلات، دولت کا ارتکاز، نوکروں کی قطاریں، ذاتی جہاز اور سیاسی غلاموں کی صف بندی دراصل انکی بادشاہت کا اَن کہا اعلان ہے۔جمہوریت کے پردہ کے پیچھے صاف نظر آتا ہے کہ ہمارے نظام پر یہ شاہی خاندان عذاب کی طرح سوار ہیں۔انکے تمام گناہ معاف ہیں۔انکی اولادیں اب نئے شہنشاہ بننے کی کامیاب کوشش کر رہے ہیں۔ہماری قوم کی ذہنی مفلسی انکی بادشاہت کو ہر دم فروغ دے رہی ہے۔ہاں! ان شاہی خاندانوں میں رقابتیں اور حسد بدرجہ اَتم موجود ہے۔فرق صرف یہ کہ یہ عثمانی خلفاء کی طرح اپنے قرابت داروں کی گردنیں نہیں اُڑا سکتے۔ویسے اگر اجازت ہو، تو یہ لوگ، یہ قبیح کام بھی خوشی سے سرانجام دیں۔فی الحال تو یہ ملک اور عوام کی گردن کاٹ چکے ہیں۔بات صرف سمجھنے کی ہے۔

راؤ منظر حیات